جناب رحمت فرخ آبادی ایم، اے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

بہ حیثیت بے مثال معلم

زمانۂ قدیم سے درس و تدریس انسانی زندگی کا ایک اہم شعبہ رہا ہے۔ یونان و روم کے تہذیبی مناظر ان ہی مدرسوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ مختلف یونانی فلاسفر، ان کے مدرسے اور تلامذہ تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل کر چکے ہیں، اور تاریخ کا کوئی طالب علم ان مکتبوں کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن تاریخ کی سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ درس و تدریس جن اصحاب علم کے حصے میں آئی وہ زندگی کے عملی حقائق سے بے تعلق رہے۔ دار المطالعوں، تجربہ گاہوں اور ادبی و علمی انجمنوں میں بیٹھ کر انسانی زندگی کا تجزیہ کرنا ایک الگ بات ہے، اور عملی زندگی میں جدوجہد کرتے ہوئے زندگی کے ہر شعبے کے متعلق عملی نمونہ قائم کرنا، اس کے مطابق ہدایات دینا ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔ تاریخ میں ایسے مدارس جہاں پڑھنے والوں کو عملی تربیت دی جائے بہت کم نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاں بہت سے فرائض بیان ہوئے ہیں، ان فرائض میں ایک اہم فرض کتاب و حکمت کی تعلیم ہے۔ کتاب سے مراد کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے جس کی تشریح اور تفسیر کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور حکمت سے مراد وہ تمام علوم و اصول ہیں جو انسانیت کے لیے مفید ہو سکتے ہیں، اور اس طرح درس و تدریس کے فرائض، نبوت کا ایک اہم حصہ بنتے ہیں۔

اس فرض کی ادائیگی اولین وحی سے شروع ہوتی ہے، جس میں خود اللہ تعالیٰ نے حصولِ علم کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

اے رسول اکرم) پڑھ، اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے

سے پیدا کیا۔ پڑھ، تیرا رب سب سے بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو وہ سکھایا جو اسے معلوم نہ تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درس و تدریس کی نمایاں خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کائنات کا فلسفہ، اس کی ساخت، تاریخ اور ارتقا، ان سب کا آغاز خالقِ کائنات کی ذات سے ہوتا ہے۔ وحیِ اوّل کے الفاظ بھی علم کا آغاز خدا کے نام سے کرتے ہیں۔

تاریخ کی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مجرد فلسفہ اور سائنس کی مدد سے کائنات اور اس میں انسان کا مرتبہ اور ارتقا کے بارے میں یونان سے لے کر مغربی فلسفیوں تک جتنے نظریات اور خیالات پیش ہوئے وہ محض قیاس آرائی، اندازوں اور تخمینوں پر مبنی ہیں۔ ان کی مدد سے نہ انسان کو اخلاقی شرف حاصل ہوتا ہے اور نہ اس کے اجتماعی اور انفرادی مسائل کا کوئی حل نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسائل الجھتے رہتے ہیں، نظریات بدلتے رہتے ہیں اور انسان تجربات کی بھٹی میں جلتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسے کا آغاز کسی قیاس آرائی یا مجرد اندازوں یا تخمینوں سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام سے ہوتا ہے۔ اس طرح انسان "لا" یعنی فلسفوں میں الجھنے کے بجائے شعورِ ذات حاصل کرتا ہے۔ اس فلسفے کے تحت تمام کائنات کا مالک اللہ ہے اور اسی نے اس کو پیدا کیا ہے اور اسی کے سامنے انسان جواب دہ ہے، انسان کو دنیا میں خلیفۃ اللہ بنایا اور اخلاقی شعور دیا جو اس کے شرف اور وجود کے لیے رحمت تھا۔ اس طرح اس مدرسۂ فکر سے جو طلبا فارغ التحصیل ہوتے وہ احساسِ ذمے داری اور جواب دہی کے مالک ہوں گے، ان کا اخلاقی شرف ان طلبا سے یقیناً ممتاز ہوگا جو صرف مادے اور اس کے گرد و پیش پر نظر رکھتے ہیں۔ خدا کے نام کے بغیر حصولِ علم کی کوشش ایسی بات ہے کہ کوئی چور کسی شاہی محل میں گھس آئے اور یہ نہ معلوم کرے کہ محل کس کا ہے، اس کے مختلف حصے کس طرح استعمال ہوتے ہیں، اس کا سامانِ آرائش کہاں رکھا جاتا ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ چور محل کی ایک ایک چیز کو دیکھے اور وہاں کے غلام مال، ملازمین، محل اور سامان آرائش و زیبائش پر اپنی تحقیقات شروع کر دے، یقیناً ایسا چور کیمیا ساز یا مادہ پرست ہی ہو سکتا ہے، لیکن اس محل کے بارے میں چوری کی غرض سے جو معلومات اسے ہونا چاہئیں وہ بالکل صفر کے برابر ہوں گی۔ اسی طرح خدا کے بغیر تلاشِ حق بے معنی ہے، ہو سکتا ہے کہ فلسفہ و سائنس میں وہ لوگ کوئی مرتبہ پالیں، لیکن بہت سی بنیادی باتوں سے

انھیں کوئی خاص تعلق نہ ہوگا۔

۲۔ رسولِ اکرم کی تعلیمات کی دوسری اہم صفت انسانی زندگی کی وحدت ہے۔ اس فلسفے کے تحت زندگی کے تمام شعبے ایک ہی اکائی کے مختلف حصے ہیں جن کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ مادہ پرست مکاتبِ فکر کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ انھوں نے زندگی کا مجموعی مطالعہ نہیں کیا، بلکہ مختلف شعبوں میں مختلف اہلِ علم نے مطالعہ کیا جس کے نتیجے میں وحدت ختم ہوگئی، ایک فلسفی جس نے معاشیات میں تحقیقات کیں، زندگی کا حاصل معاش کو سمجھ بیٹھا، دوسرے فلسفی نے انسانی جذبات اور میلانات پر تحقیقات کی تو وہ نفسیات کو بھی علم کل سمجھ بیٹھا، تیسرے نے جنسیات پر خامہ فرسائی فرمائی اور اسے انسان کی تمام مشکلات کا حل اسی میں نظر آیا، اسی طرح اخلاقیات، مذہب اور دوسرے شعبہ ہائے حیات کے ماہرین نے تحقیقات کیں۔ ان مطالعوں کی اہمیت اور تحقیقات سے انکار ممکن نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ زندگی کو مختلف خانوں میں بانٹ کر جو غلطی ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان مجموعی طور پر اپنے کو نہ سمجھ سکا اور صرف تجربات کی راہ پر چلتا رہا۔ کبھی ماہرینِ معاشیات کی طرف متوجہ ہوا تو روٹی کے عوض انسانی شرف سے محروم ہوگیا۔ نفسیات اور جنسیات کی طرف متوجہ ہوا تو مادی ضرورتوں نے اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔ اخلاقیات اور مذہب نے کبھی اس کو غلامی، ظلم اور افلاس پر صبر و رضا کی تعلیم دی اور ایک خوش حال آزاد زندگی کا حق چھین لیا۔ اس کے برعکس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں۔ ان کے یہاں ہر شعبے کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اور اس کے لیے واضح تعلیمات اور ہدایات موجود ہیں لیکن کسی دوسرے شعبے کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ یہاں قانون، تجارت اور لین دین کے قوانین ہیں تو اخلاقی ضابطے بھی ہیں۔ نکاح و طلاق کے قوانین ہیں تو انسانی جذبات کا احترام بھی ہے۔ یہ صفت کسی دوسرے مکتبِ فکر میں موجود نہیں۔ انسانی زندگی کی وحدت کا تصور صرف اسلام کا عطیہ ہے جس کے نزدیک انسان کی حیثیت ایک جسم کی ہے جس کے کسی عضو کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ انسانی تاریخ کا یہ بھی المیہ ہے کہ علم و عمل کے دھارے دو مختلف سمتوں میں بہتے ہیں۔ اہلِ علم کتب خانوں میں بیٹھ کر اصول بناتے ہیں اور اہلِ عمل ان کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ مجرد کتابیں پڑھنے سے عملی زندگی کا شعور حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لیے عملی اصول، عملی دنیا میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک واضح مثال معاشیات کا ایک اہم اصول آزاد مسابقت - (Free

(Competition) ہے۔ اس اصول کے بنانے والوں نے بڑے خلوص کے ساتھ انسان کو جدوجہد پر آمادہ کیا تھا، لیکن عملی دنیا میں آزاد مقابلہ ناممکن ثابت ہوا۔ تجارت میں اجارہ داریاں، انسان کے مختلف تعلقات، قومی اور ملکی مسائل اور رشتے اس کی راہ میں سنگِ گراں بن گئے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ کتب خانوں میں بیٹھ کر زندگی کی عملی رہنمائی ناممکن ہے۔ اس خامی کو رسولِ اکرم کے مدرسۂ فکر نے دور کیا۔ یہاں اہلِ علم کا کوئی گروہ ایسا نہیں جو کسی کا محتاج ہو اور تحقیقات میں مصروف نہ ہو۔ یہاں ہر آدمی پر حصولِ علم فرض ہے اور یہ فرض وہ عمل کی بھٹی میں تپتے ہوئے انجام دیتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے ائمہ تجارت و صنعت میں مصروف رہے، سرکاری ملازمتوں اور فوجی خدمات پر مامور رہے، عدالتوں کی کرسیوں پر بیٹھے اور اس طرح زندگی کی عملی مشکلات ان کے سامنے آئیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ ان مشکلات کا حل ان کے لیے آسان تھا، بہ نسبت ان لوگوں کے جو صرف کتابوں کے سہارے زندگی کے مسائل حل کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ ایک بڑے تاجر تھے۔ امام ابو یوسف عدالتِ عالیہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ امام غزالی اپنے زمانے کے ایک اہم اور عظیم علمی ادارے مدرسۂ نظامیہ کے نگران تھے اور اپنے زمانے کے ایک مشہور اور منفرد ماہرِ تعلیم — اس علم و عمل کی وحدت سے اسلامی معاشرہ منظم ہو گیا۔ اس کے نظریۂ علم و عمل میں یکسانیت پیدا ہو گئی اور اس کے اصول صرف کتابوں میں لکھے ہوئے زریں الفاظ نہ رہے بلکہ انسان کی زندگی کا قانون بن گئے اور یہی وجہ ہے کہ لاکھوں آدمیوں نے ان علما کے بتائے ہوئے اصول و قوانین سے عملی زندگی میں رہنمائی حاصل کی۔ اگر یہ اصول صرف کتابیں پڑھ کر بتائے جاتے تو ان کی اہمیت اسی وقت ختم ہو جاتی اور اس کے بعد یہ صرف تاریخی سرمایہ رہ جاتے۔

مذکورہ بالا تشریحات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فلسفۂ تعلیم کی بنیادیں دوسرے فلسفہ ہائے تعلیم سے بالکل مختلف ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فلسفۂ تعلیم کی بنیادیں زندگی کی وحدت، توحید کا شعور، علم و عقل اور عمل کی یک رنگی اور انسان دوستی پر رکھی گئی۔ ان بنیادوں پر جب کوئی نظامِ تعلیم بنایا جائے گا تو وہ حقیقی اسلامی نظامِ تعلیم کہلائے گا۔ فلسفۂ تعلیم کے بعد اصولِ تعلیم، تعلیمی جدوجہد، نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

جہاں تک ریاست کے فرائض میں علم کی اہمیت اور اس کے لیے جدوجہد کا تعلق ہے، اسلام نے یہ بالکل واضح کیا ہے، جیساکہ اس سے پہلے بتایا گیا ہے کہ وحیِ اوّل کا آغاز لفظ "اقراء" سے ہوتا ہے۔ مکی

آیاتِ قرآنی جو تبلیغ و تلقین، دعوتِ حق اور ابتدائی تعلیمات پر مشتمل تھیں، ان کے مطالعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہدایت کی بنیاد علم اور گم راہی کی بنیاد جہالت ہے۔ سطورِ ذیل میں چند آیاتِ قرآنی اسی مقصد کی وضاحت کے لیے نقل کی جاتی ہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (آل عمران، ۱۶۴)

بے شک اللہ نے احسان کیا مومنوں پر جب بھیجا ان میں ایک رسول ان ہی میں سے، ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا اور انھیں پاک و صاف کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ اس سے قبل کھلی ہوئی گم راہی میں تھے۔

قرآن کریم نے حصولِ علم کے لیے اتباعِ رسول کو اوّلیت دی ہے۔ یعنی:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورہ النسا)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

علم حاصل کرنے کے لیے اسلام اپنے پیغمبر کے اسوۂ حسنہ اور سنتِ رسول کی پیروی کی دعوت دیتا ہے اور اپنی کتاب قرآن کا عملی مجسمہ اور کامل نمونہ اور پیکرِ اتم بنا کر پیش کرتا ہے۔ یعنی

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۲۱)

لوگو! تمھارے لیے خدا کے رسول میں اس شخص کے لیے بہترین نمونۂ عمل موجود ہے جو اللہ سے ڈرتا اور روزِ آخرت کی جواب دہی سے خائف ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی امت کو وصیت کی تھی:

"میں تم میں دو اہم چیزیں چھوڑتا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اپنا عملی طریقہ یعنی سنت۔"

آیاتِ ذیل سے علم اور تعلیم کی مزید اہمیت اور اہلِ علم کی فضیلت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ فرمایا:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ (مجادلہ: ۱۱)

اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا۔

اس آیت کی تشریح میں امام غزالی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

علما کو عام مسلمانوں پر سات سو درجے فضیلت دی گئی ہے اور ان درجوں کے باہمی فرق کے لیے ان میں ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مدت کا فصل سمجھنا چاہیے:

قرآنِ کریم میں جا بجا گزشتہ نبیوں اور رسولوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ کس کو خدا نے کتنا علم دیا۔ بعض پیغمبروں کو خاص خاص علوم کی تعلیم دی گئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ علم کا بھی ذکر کیا گیا۔ قرآن کی رو سے حضرت خضر علیہ السلام کو علم فراست کے سبب سے فضیلت حاصل ہوئی، حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیرِ خواب کا علمِ کامل عطا کیا، حضرت داؤد علیہ السلام کو علم صنعت میں فضیلت دی گئی اور رسولِ اکرم سے فرمایا گیا کہ:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط (النساء: ۱۱۳)

اور تجھ کو وہ باتیں سکھا دی ہیں جو تجھ کو معلوم نہ تھیں۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی امت کو تحصیلِ علم کی ترغیب دی، اور علم اور اہلِ علم کی فضیلت بتائی اور اسلام کے علمی نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ علم کی اہمیت اس سے بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوات اور قلم کی قسم کھائی، ظاہر بات ہے کہ تمام علوم وفنون کی بنیاد ان ہی پر ہے۔ رسولِ اکرم نے خود ایک حدیث میں فرمایا کہ میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ایک جگہ مزید ارشادِ نبوی ہے کہ: "جس شخص نے علم کی طلب میں ایک راستہ طے کیا وہ جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلا۔"

ایک اور جگہ آپ نے فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کہ تحصیل علم کی کوئی انتہا نہیں۔ یعنی "ماں کی گود سے لے کر قبر میں جانے تک علم حاصل کرو۔" اہل علم کو عبادت گزاروں پر فوقیت دی۔ فرمایا:

"عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ مجھے تم میں سب سے معمولی شخص پر۔"

اہلِ علم کی فضیلت کی بابت فرمایا: "علما انبیا کے وارث ہیں۔"

اسلام کے ابتدائی دور میں جب کہ اس کے پیروکاروں کی تعداد بہت کم تھی اور مسلمان انتہائی دشواری سے ظلم اور تشدد کے سائے میں آگے بڑھ رہے تھے، بیعت عقبہ ثانیہ کا واقعہ عمل میں آیا، مدینے کے کچھ لوگ حق و راستی پر ایمان لے آتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے ایک نیا مرکز ملنے کی امید بنتی ہے تو رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نہ مستقبل کی سیاسی ہیئت (POLITICAL STRUCTURE) کے متعلق سوچتے ہیں اور نہ وہاں کی معاشی صورتِ حال پر گفتگو کرتے ہیں بلکہ ایک تربیت یافتہ معلم مدینے بھیجتے ہیں تاکہ وہاں درس و تدریس کی بنیادیں رکھی جا سکیں۔ مکے میں رسول اکرم نے اپنے ساتھیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کس طرح انتظام کیا۔ یہ ایک الگ موضوع ہے لیکن یہ سب جانتے ہیں کہ جب حضرت عمر اسلام لانے لگے تو انھیں قرآنِ مجید کی چند سورتیں اپنی بہن کے گھر لکھی ہوئی ملی تھیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی بہن پڑھنا بھی جانتی تھیں۔ مکی سورتوں میں سورہ کہف بھی شامل ہے جس میں ملتِ اسلامیہ کے فرزندوں کو عموماً اور صحابہ کرام کو خصوصاً یہ بتایا گیا ہے کہ علم کی انتہا نہیں۔ ایک نبی بھی طلب علم کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہوتا ہے، سفر کی تکالیف برداشت کرتا ہے اور شدید تجربات کے دور سے گزرتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم میں اضافے کی خواہش ہو تو بیرونی ممالک کا سفر ناگزیر ہے۔

درج بالا سطور سے یہ امر واضح ہے کہ اسلام میں علم کی کیا اہمیت ہے اور کس طرح وہ اپنے پیروؤں پر فرض کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے ماحول اور معاشرے میں درس و تدریس کی بنیادیں رکھیں۔

تعلیم کی اس اہمیت کے بعد اب ہم یہ بتائیں گے کہ مدینے میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیاسی سربراہی حاصل ہوئی اور ایک چھوٹی سی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے ایک وسیع نظامِ تعلیم رائج کیا۔ اس نظامِ تعلیم میں مدرسوں کا انتظام، امتحانات، قیام و طعام، غیر زبان کی تعلیم، تعلیمِ نسواں، تعلیمی حلقے اور پھر ان سب کا دورہ شامل ہے۔

تعلیم کا اولین مقصد یا پہلا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ عوام میں سے ناخواندگی ختم ہو جائے اور لوگ لکھنا پڑھنا سیکھ لیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے فوراً بعد یہ انتظام کیا اور حضرت سعید بن عاص کو اس کام کے لیے مقرر کیا۔ اسی طرح جنگ بدر میں گرفتار ہونے والے وہ قیدی جو فدیہ نہ دے سکتے تھے، ان کا یہ فدیہ مقرر کیا کہ وہ مدینے کے دس آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ یہ کوشش بہت بارآور ثابت ہوئی اور ہجرتِ مدینہ کے تھوڑے ہی عرصے بعد خواندگی کا معیار اس قدر بڑھ گیا کہ قرآن مجید میں حکم دیا گیا کہ ہر وہ تجارتی معاملہ جو ادھار کی بنیاد پر ہو منضبط تحریر میں لایا جائے اور کم از کم دستاویز پر دو شہادتیں ہوں۔

خواندگی کے ساتھ ہی رسول اکرم نے ایک اقامتی درس گاہ کا انتظام کیا، جس کو عرفِ عام میں "صفہ" کہا جاتا ہے۔ اس مدرسے میں قرآن و حدیث اور مسائل کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس مدرسے کے تمام

طلبا کے اخراجات اور قیام و طعام کی نگرانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے تھے۔ یہ طلبا فرصت کے اوقات میں طلب روزگار میں مصروف ہوتے تھے۔ دار الاقامہ میں رہنے والے طلبا کے علاوہ مقامی طلبا بھی درس میں شریک ہوتے اور استفادہ کرتے اور اس طرح طلبا کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی۔

مدینہ منورہ میں "صفہ" واحد مدرسہ نہ تھا، کم از کم عہد نبوی میں مدینہ منورہ میں نو۹ مساجد تھیں جن میں سے ہر ایک درس گاہ کا کام دیتی تھی اور قرب و جوار کے لوگوں کو اور خاص طور پر بچوں کو استفادے کا موقع ملتا تھا۔ ان مدرسوں کی نگرانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود کرتے تھے، چنانچہ مقام "قبہ" جو مدینے سے ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے وہاں کی مسجد سے جو مدرسہ ملحق تھا، اس کی نگرانی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف مدارس کے نظم و نسق کی نگرانی ہی نہ کرتے بلکہ تعلیم و تربیت اور نصاب کی بھی نگرانی کرتے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد نبوی میں گئے اور دیکھا کہ بعض لوگ مسئلہ تقدیر پر بحث کر رہے ہیں۔ آپ فوراً باہر آگئے اور غصے کا اظہار فرمایا، اس موضوع پر نہ صرف بحث کرنے سے منع فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا کہ بہت سی گزشتہ امتیں اسی مسئلے میں الجھ کر تباہ ہوگئی ہیں۔

عہد نبوی کے نصاب تعلیم کی ایک اور صفت تخصیص (SPECIALISATION) ہے۔ اس کا تذکرہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ عام طلبا مغربی اہل علم کے جھوٹے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ تخصیص عہد جدید کی کوئی شے ہے۔ حالاں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نصاب تعلیم میں اس کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مختلف مضامین سکھانے کے لیے مختلف صحابۂ کرام متعین تھے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو قرآن سیکھنا ہو وہ فلاں صحابی کے پاس جائے اور جس کو تجوید یا تقسیم ترکہ کا حساب سیکھنا ہو وہ فلاں صحابی کے پاس جائے۔

معلمین کی ضرورتوں کا انتظام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود کرتے تھے۔ ان میں سے جو اساتذہ تجارت، مزدوری یا کسی اور ذریعے سے اپنی روزی حاصل کرتے انھیں کوئی معاوضہ نہ ملتا تھا، لیکن جو لوگ کل وقتی (WHOLE TIME EMPLOYEE) تھے، ان کی تمام ضرورتوں کی ذمہ داری ریاست پر تھی۔ چنانچہ بعد کے دور میں علما کے وظائف، مدرسوں کی امداد، اہل علم کی سرپرستی مسلمان سلاطین کا شعار

رہی۔ اس طرح دراصل معلم کی عزت نفس محفوظ رہتی ہے اور معاشرے میں اس کو ایک موزوں مقام ملتا ہے، جس کا وہ جائز طور پر مستحق بھی ہے۔

نصاب تعلیم کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف جگہوں پر مختلف مضامین کا نصاب رائج تھا۔ گویا دور اوّل ہی میں یہ بات تسلیم کر لی گئی تھی کہ نصاب تعلیم مختلف معاشروں کے درمیان مختلف ہونا چاہیے۔ سب کو ایک ہی طرح پڑھانا، ایک ہی مضمون سکھانا اور طلبا کے مزاج اور ان کے ماحول اور ضرورتوں کا لحاظ نہ رکھنا کوئی اچھی بات نہیں۔ چنانچہ مختلف جگہوں پر مختلف مضامین کی تربیت دی جاتی۔ اس نصاب تعلیم کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہ چند کتب پر مشتمل نہ تھا بلکہ اس کا سارا دارومدار معلمین پر تھا۔ جب ایک استاد جو کچھ وہ جانتا ہے اپنے طلبا کو بتلا دے تو اس کا نصاب پورا ہو گیا۔ اس نظام تعلیم سے طلبا اور اساتذہ میں تحقیق و جستجو کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور وہ ہر وقت مزید علم کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں، لیکن جو مضمون سب جگہ مشترک تھا وہ ہے قرآن و سنت کی تعلیم، اس لیے کہ اسلامی معاشرے کی بنیاد ہی ان علوم پر ہے۔ اس مضمون کے علاوہ رسول اکرمؐ نے جن مختلف علوم کے حصول کا حکم دیا، ان میں نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ، مبادی طب، علم ہیئت، علم الانساب اور علم تجوید خاص طور پر شامل ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نصاب تعلیم کا تعین عمر کے مطابق ہوتا تھا، چنانچہ بچوں کے لیے الگ نصاب تعلیم تھا۔ اس سلسلے میں احادیث میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کو کن چیزوں کی تعلیم دی جانی چاہیے۔ ان میں خاص طور پر نشانہ بازی اور پیراکی قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح نماز پڑھنے کا طریقہ بھی بچوں کے نصاب میں شامل تھا۔

تعلیم نسواں کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ انتظام کیا۔ چنانچہ آپؐ نے خود ہفتے میں ایک دن مقرر کر لیا تھا جب آپ عورتوں کے اجتماع میں تشریف لے جاتے، ان کو تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے چرخہ کاتنے کی ترغیب بھی دی۔ ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ آپؐ کی بیوی کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ آپ کی ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کئی علوم میں عبور تھا، جن میں ادب، شاعری اور طب شامل ہیں۔ قرآن مجید میں رسول پاکؐ

کی بیویوں کا ایک فرض یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ دوسری عورتوں کو تعلیم دیں۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جو کسی لونڈی کا مالک ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے اچھی تعلیم اور اچھی تربیت دینے کے بعد آزاد کر دے۔

جب اسلامی ریاست کی حدود وسیع ہوئیں اور مدینہ سے باہر کے لوگوں نے بھی دعوتِ حق پر لبیک کہنا شروع کیا تو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک وسیع نظامِ تعلیم کی بنیاد رکھی گئی جو ریاست کی تمام ضرورتوں کو پورا کرے، چنانچہ گورنروں کے فرائضِ منصبی میں یہ بھی صراحت ہوتی تھی کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کے لیے قرآن و حدیث کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ صوبے کی درس گاہوں کا معیار بلند کرنے کے لیے رسول اکرمؐ نے ناظر تعلیمات (EDUCATIONAL INSPECTORS) مقرر کیے۔ چنانچہ یمن میں ایک صدر ناظم تعلیمات مقرر کیا جس کا کام یہ تھا کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کا دورہ کرتا رہے اور وہاں کے تعلیمی نظام کی نگرانی کرے۔

تعلیماتِ غزالیؒ

مولانا محمد حنیف ندوی

فقہ و قانون کی پابندیوں میں اگر احکام و مسائل کی اصل روح مفقود ہو جائے تو یہ پابندیاں تہذیب و تمدن کے لیے طوق و زنجیر بن جاتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اگر روح و معنی فقہ و قانون کی پابندیوں کو گوارا کرنا چھوڑ دے تو اس سے دینی انارکی پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔ غزالیؒ کی چشمِ بصیرت نے سب سے پہلے اس خطرے کو محسوس کیا اور احیاء العلوم میں تفصیل کے ساتھ فقہ و تصوف میں رشتہ و تعلق کی جو نوعیت ہے، اس کو واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ۔۔۔ تعلیماتِ غزالیؒ میں احیا کے ان ابواب کا سلیس اور شگفتہ ترجمہ ہے جن میں غزالی نے ہر ہر فقہی مسئلے کی روح اور حکمت بیان کی ہے۔ کتاب کے مقدمے میں فاضل مترجم نے مسئلۂ تصوف کے جملہ اہم نکات کے بارے میں گراں قدر تشریحات پیش کی ہیں۔ تصوف کیا ہے؟ اسلامی نقطۂ نظر سے تصوف کے کیا معنی ہیں؟ اس کی اصطلاحیں کن معانی اور مطالب کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہیں؟ اس کتاب میں ان تمام سوالات کا آپ کو تسلی بخش جواب ملے گا۔

صفحات ۵۷۲ قیمت -/۴۰ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور